دشمنیت سے عمل میں آتا ہے، نہ اس میں کسی کی نحوست کا دخل ہے نہ برکت کا، یہ سب ان کی خام خیالی اور جہالت ہے جو پرندوں کے داہنے یا بائیں اڑ جانے سے اچھی بُری فالیں لے کر اپنے مقاصد اور عمل کی بنیاد اس پر رکھتے ہیں۔

اور بالآخر قوم فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تمام معجزات کو سحر کہہ کر نظر انداز کرتے ہوئے یہ اعلان کر دیا کہ مَهْمَا تَأْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ، یعنی آپ کتنی ہی علامتیں اپنی نبوت کی پیش کر کے ہم پر اپنا جادو چلانا چاہیں تو سن لیجئے ہم کبھی آپ پر ایمان لانے والے نہیں۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ

پھر ہم نے بھیجا ان پر طوفان اور ٹڈی اور چچڑی اور مینڈک

وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۱۳۳﴾

اور خون بہت سی نشانیاں جدی جدی، پھر بھی تکبر کرتے رہے اور تھے وہ لوگ گنہگار،

وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا

اور جب پڑتا ان پر کوئی عذاب تو کہتے اے موسیٰ دعا کر ہمارے واسطے اپنے رب سے جیسا

عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ

اس نے بتلا رکھا ہے تجھ کو اگر تو نے دور کر دیا ہم سے یہ عذاب تو بیشک ہم ایمان لے آئیں گے تجھ پر

وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۳۴﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ

اور جانے دیں گے تیرے ساتھ بنی اسرائیل کو پھر جب ہم نے اٹھا لیا ان سے

الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

عذاب ایک مدت تک کہ ان کو اس مدت تک پہنچنا تھا اسی وقت عہد توڑ ڈالتے،

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا

پھر ہم نے بدلہ لیا ان سے سو ڈبو دیا ہم نے ان کو دریا میں اس وجہ سے کہ انہوں نے جھٹلایا

بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾

ہماری آیتوں کو اور ان سے تغافل کرتے تھے۔

خلاصۂ تفسیر

(جب ایسی سرکشی اختیار کی تو) پھر ہم نے (ان دو بلاؤں کے علاوہ یہ بلائیں مسلط کیں کہ (۳) ان پر (کثرتِ بارش کا) طوفان بھیجا (جس سے مال وجان تلف ہونے کا اندیشہ ہو گیا) اور (اس سے گھبرائے تو موسیٰ علیہ السلام سے عہد و پیمان کیا کہ ہم سے یہ بلا دور کرائیے تو ہم ایمان لائیں اور جو آپ کہیں اطاعت کریں پھر جب وہ بلا دور ہوئی اور دل خواہ غلہ وغیرہ نکلا پھر بے فکر ہو گئے کہ اب تو جان بھی بچ گئی مال بھی خوب ہو گا اور بدستور اپنے کفر و طغیان پر اڑے رہے تو ہم نے ان کے کھیتوں پر (۴) ٹڈیاں (مسلط کیں) اور (جب پھر کھیتوں کو تباہ ہوتے دیکھا تو گھبرا کر پھر ویسے ہی عہد و پیمان کئے اور پھر جب آپ کی دعا سے وہ بلا دور ہوئی اور غلہ غیرہ تیار کر کے اپنے گھر لے آئے پھر بے فکر ہو گئے کہ اب تو غلہ قابو میں آگیا اور بدستور اپنے کفر و مخالفت پر جمے رہے تو ہم نے اس غلہ میں (۵) گھن کا کیڑا (پیدا کر دیا) اور (جب گھبرا کر پھر اسی طرح عہد و پیمان کر کے دعا کرائی اور وہ بلا بھی دور ہوئی اور اس سے مطمئن ہو گئے کہ اب پیس کوٹ کر کھائیں پئیں گے، پھر وہی کفر اور وہی مخالفت، تو اس وقت ہم نے ان کے کھانے کو یوں بے لطف کر دیا کہ ان پر (۶) مینڈک (ہجوم کر کے ان کے کھانے کے برتنوں میں ہنڈیوں میں گرنا شروع ہوئے جس سے سب کھانا غارت ہوا اور ویسے بھی گھر میں بیٹھنا مشکل کر دیا اور) پینا یوں بے لطف کر دیا کہ (۷) ان کا پانی) خون (ہو جاتا) منہ میں لیا اور خون بنا، غرض ان پر یہ بلائیں مسلط ہوئیں کہ یہ سب (موسیٰ علیہ السلام کے) کھلے کھلے معجزے تھے (کہ ان کی تکذیب و مخالفت پر ان کا ظہور ہوا اور یہ ساتوں عصا اور یدِ بیضاء ملا کر آیاتِ تسعہ کہلاتے ہیں) سو (چاہئے تھا کہ ان معجزات و آیاتِ قہر کو دیکھ کر ڈھیلے پڑ جاتے مگر) وہ (پھر بھی) تکبر (ہی) کرتے رہے اور وہ لوگ کچھ تھے ہی جرائم پیشہ (کہ اتنی سختی پر بھی باز نہ آتے تھے) اور جب ان پر کوئی عذاب (مذکورہ بلاؤں میں سے) واقع ہوتا تو یوں کہتے، اے موسیٰ! ہمارے لئے اپنے رب سے اس بات کی دعا کر دیجئے جس کا اس نے آپ سے عہد کر رکھا ہے (وہ بات قہر کا دور کر دینا ہے ہمارے باز آجانے پر، سو ہم اب وعدہ کرتے ہیں کہ) اگر آپ اس عذاب کو ہم سے ہٹا دیں (یعنی دعا کر کے ہٹوا دیں) تو ہم ضرور ضرور آپ کے کہنے سے ایمان لے آئیں گے اور ہم بنی اسرائیل کو بھی رہا کر کے آپ کے ہمراہ کر دیں گے پھر جب (ببرکت دعائے موسیٰ علیہ السلام) ان سے اس عذاب کو ایک خاص وقت تک کہ ان کو پہنچنا تھا ہٹا دیتے تو وہ فوراً ہی عہد شکنی کرنے لگتے (جیسا اوپر بیان ہوا) پھر (جب ہر ہر طرح دیکھ لیا کہ وہ اپنی شرارت سے باز ہی نہیں آتے تب اس وقت) ہم نے ان سے (پورا) بدلہ لیا یعنی ان کو

دریا میں غرق کردیا (جیسا دوسری جگہ ہے)، اس سبب سے کہ وہ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے اور ان سے بالکل ہی بے توجہی کرتے تھے (اور تکذیب وغفلت بھی ایسی ویسی نہیں بلکہ اصرار و عناد کے ساتھ کہ اطاعت کا وعدہ کرلیں اور توڑ دیں)۔

مَعارف ومَسائل

آیاتِ متذکرہ میں قوم فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا باقی قصہ مذکور ہے کہ فرعون کے جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں ہار گئے اور ایمان لائے، مگر قوم فرعون اسی طرح اپنی سرکشی اور کفر پر جمی رہی۔

اس واقعہ کے بعد تاریخی روایات کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام بیس سال مصر میں مقیم رہ کر ان لوگوں کو اللہ کا پیغام سناتے اور حق کی طرف دعوت دیتے رہے، اور اس عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو نو معجزات عطا فرمائے، جن کے ذریعہ قوم فرعون کو متنبہ کرکے راستہ پر لانا مقصود تھا، قرآن کریم میں وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍ میں انہی نو معجزات کا بیان ہے۔

اِن نو معجزات میں سے سب سے پہلے دو معجزے، عصا اور ید بیضا، کا ظہور فرعون کے دربار میں ہوا اور انہی دو معجزوں کے ذریعہ جادوگروں کے مقابلہ میں موسیٰ علیہ السلام نے فتح حاصل کی، اس کے بعد ایک معجزہ وہ تھا جس کا ذکر اس سے پہلی آیات میں آچکا ہے کہ قوم فرعون پر ان کی ضد اور کجروی کے سبب قحط مسلط کردیا گیا، ان کی زمینوں اور باغوں میں پیداوار بہت گھٹ گئی جس سے یہ سخت پریشان ہوئے اور بالآخر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قحط رفع ہونے کے لئے دعا کرائی، مگر جب قحط رفع ہوگیا تو پھر اپنی سرکشی میں مبتلا ہوگئے اور لگے یہ کہنے کہ یہ قحط تو موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی نحوست کے سبب ہوا تھا، اب جو قحط رفع ہوا یہ ہمارے حال کا تقاضا ہے،

باقی چھ آیات و معجزات کا بیان مذکورہ آیتوں میں ہے:

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ،

یعنی پھر ہم نے ان پر طوفان بھیجا اور ٹڈیاں اور گھن کا کیڑا اور مینڈک اور خون۔

اس میں قوم فرعون پر مسلط ہونے والے پانچ قسم کے عذابوں کا ذکر ہے اور ان کو اس آیت میں اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ فرمایا ہے جس کے معنی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی تفسیر کے مطابق یہ ہیں کہ ان میں سے ہر عذاب ایک معین وقت تک رہا پھر موقوف ہوگیا، اور کچھ مہلت دی گئی اس کے بعد دوسرا، تیسرا عذاب، اسی طرح الگ الگ ہوکر ان پر آیا، اسی کو ترجمہ شیخ الہندؒ میں اختیار کیا گیا ہے۔

ابن منذر نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ ان میں سے ہر عذاب قوم فرعون پر سات روز تک مسلط رہتا تھا، ہفتہ کے دن شروع ہوکر دوسرے ہفتہ کے دن رفع ہوجاتا اور پھر تین ہفتے کی مہلت ان کو دی جاتی تھی۔

امام بغوی نے بروایت ابن عباسؓ نقل کیا ہے کہ جب پہلی مرتبہ قوم فرعون پر قحط کا عذاب مسلط ہوا، اور موسیٰ علیہ السلام کی دُعا سے رفع ہوگیا مگر یہ لوگ اپنی سرکشی سے باز نہ آئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار! یہ ایسے سرکش لوگ ہیں کہ عذاب قحط سے بھی متاثر نہ ہوئے اور معاہدہ کرکے پھر گئے، اب ان پر کوئی ایسا عذاب مسلط فرما دیجئے جو ان کے لئے دردناک ہو، اور ہماری قوم کے لئے ایک وعظ کا کام دے اور بعد میں آنے والوں کے لئے درس عبرت بنے، تو اللہ تعالیٰ نے پہلے اُن پر طوفان کا عذاب بھیج دیا، مشہور مفسرین کے نزدیک طوفان سے مراد پانی کا طوفان ہے، قوم فرعون کے سب گھروں اور زمینوں کو پانی کے طوفان نے گھیر لیا نہ کہیں بیٹھنے لیٹنے کی جگہ رہی نہ زمین میں کچھ کاشت وغیرہ کرنے کی، اور عجیب بات یہ تھی کہ قوم فرعون کے مکانات اور زمینوں کے ساتھ ہی بنی اسرائیل کے مکانات اور زمینیں تھیں، بنی اسرائیل کے مکانات اور زمینیں سب بدستور خشک تھیں کہیں طوفان کا پانی نہ تھا اور قوم فرعون کے سارے گھر اور زمین اس طوفان سے لبریز تھے۔

اس طوفان سے گھبرا کر قوم فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے التجا کی کہ اپنے پروردگار سے دُعا کیجئے کہ یہ عذاب ہم سے دور فرمادیں تو ہم ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو آزاد کردیں گے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعا سے یہ طوفان دُور ہوا۔ اور اس کے بعد ان کی کھیتیاں پہلے سے زیادہ ہری بھری ہوگئیں، تو اب یہ کہنے لگے کہ درحقیقت یہ طوفان کوئی عذاب نہیں تھا بلکہ ہمارے فائدے کے لئے آیا تھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہماری زمینوں کی پیداوار بڑھ گئی، اس لئے موسیٰ علیہ السلام کا اس میں کچھ دخل نہیں اور یہ کہہ کر سب عہد و پیمان نظر انداز کردیئے۔

اس طرح یہ لوگ ایک مہینہ امن وعافیت سے رہتے رہے، اللہ نے ان کو غور و فکر کی مہلت دی مگر یہ ہوش میں نہ آئے تو اب دوسرا عذاب ٹڈیوں کا ان پر مسلط کردیا گیا، ٹڈی دل نے اُن کی ساری کھیتیوں اور باغوں کو کھالیا، بعض روایات میں ہے کہ لکڑی کے دروازوں اور چھتوں کو اور گھریلو سب سامان کو ٹڈیاں کھا گئیں اور اس عذاب کے وقت بھی موسیٰ علیہ السلام کا یہ معجزہ سامنے تھا کہ یہ سارا ٹڈی دل صرف قبطی یعنی قوم فرعون کے باغوں، کھیتیوں، گھروں پر چھایا ہوا تھا، پاس ملے ہوئے اسرائیلیوں کے مکانات، زمینیں، باغ سب اس سے محفوظ تھے

اس وقت پھر قوم فرعون چلا اٹھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ اس

مرتبہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کردیں یہ عذاب ہٹ جائے تو ہم پختہ وعدہ کرتے ہیں کہ ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو آزاد کردیں گے، موسیٰ علیہ السلام نے پھر دعا کی اور یہ عذاب ہٹ گیا، مگر عذاب کے ہٹنے کے بعد انہوں نے دیکھا کہ ہمارے پاس اب بھی اتنا ذخیرہ غلہ کا موجود ہے کہ ہم سال بھر کھا سکتے ہیں تو پھر سرکشی اور عہد شکنی پر آمادہ ہوگئے، نہ ایمان لائے نہ بنی اسرائیل کو آزاد کیا۔

ایک مہینہ پھر اللہ تعالیٰ نے مہلت دی، اس مہلت کے بعد تیسرا عذاب قُمَّل کا مسلط ہوا، لفظ قمل اس جوں کے لئے بھی بولا جاتا ہے جو انسان کے بالوں اور کپڑوں میں پیدا ہوتی ہے، اور اس کیڑے کو بھی کہتے ہیں جو غلہ میں لگ جاتا ہے جس کو گھن بھی کہا جاتا ہے۔ قمل کا یہ عذاب ممکن ہے کہ دونوں قسم کے کیڑوں پر مشتمل ہو کر غلوں میں گھن لگ گیا اور انسانوں کے بدن اور کپڑوں میں جوؤں کا طوفان امڈ آیا۔

غلوں کا حال اس گھن نے ایسا کردیا کہ دس سیر گیہوں پیسنے کے لئے نکالیں تو اس میں تین سیر آٹا بھی نہ نکلے، اور جوؤں نے ان کے بال اور پلکیں اور بھویں تک کھالیں۔

آخر پھر قوم فرعون بلبلا اٹھی اور موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی کہ اب کی مرتبہ ہم ہرگز وعدہ سے نہ پھریں گے آپ دعا کردیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے یہ عذاب بھی ٹل گیا، مگر جن بدنصیبوں کو ہلاک ہی ہونا تھا وہ کہاں عہد کو پورا کرتے، پھر عافیت ملتے ہی سب کچھ بھول گئے اور منکر ہوگئے۔

پھر ایک ماہ کی مہلت ایسی آرام و راحت کے ساتھ ان کو دی گئی مگر اس مہلت سے بھی کوئی فائدہ نہ اٹھایا تو چوتھا عذاب مینڈکوں کا ان پر مسلط کردیا گیا، اور اس کثرت سے مینڈک ان کے گھروں میں پیدا ہوگئے کہ جہاں بیٹھتے تو ان کے گلے تک مینڈکوں کا ڈھیر لگ جاتا، سونے کے لئے لیٹتے تو سارا بدن ان سے دب جاتا کروٹ لینا ناممکن ہوجاتا، پکتی ہوئی ہنڈیا میں، رکھے ہوئے کھانے میں آٹے میں اور ہر چیز میں مینڈک بھر جاتے، اس عذاب سے عاجز آکر سب رونے لگے اور پہلے سے پختہ وعدوں کے ساتھ معاہدہ کیا تو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے یہ عذاب بھی رفع ہوگیا۔

مگر جس قوم پر قہر الٰہی مسلط ہو اس کی عقل اور ہوش و حواس کام نہیں دیتے، اس واقعہ کے بعد بھی عذاب سے نجات پاکر یہ پھر اپنی ہٹ دھرمی پر جم گئے اور کہنے لگے کہ اب تو ہمیں اور بھی یقین ہوگیا، موسیٰ علیہ السلام بڑے جادوگر ہیں یہ سب ان کے جادو کے کرشمے ہیں رسول نبی کچھ نہیں۔

پھر ایک ماہ کی مہلت اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی مگر اس مہلت سے بھی کوئی کام نہ لیا تو پانچواں عذاب خون کا مسلط کردیا گیا کہ ان کے ہر کھانے اور پینے کی چیز خون بن گئی، کنویں سے، حوض سے، جہاں کہیں سے پانی نکالیں خون بن جائے، کھانا پکانے کے لئے رکھیں خون بن جائے اور ان سب عذابوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ معجزہ مسلسل تھا کہ ہر عذاب سے اسرائیلی حضرات بالکل مامون و محفوظ تھے، خون کے عذاب کے وقت قوم فرعون کے لوگوں نے بنی اسرائیل کے گھروں سے پانی مانگا جب وہ ان کے ہاتھ میں گیا تو خون ہوگیا، ایک ہی دسترخوان پر بیٹھ کر قبطی اور اسرائیلی کھانا کھاتے تو جو لقمہ اسرائیلی اٹھاتا وہ اپنی حالت پر کھانا ہوتا اور جو لقمہ یا پانی کا گھونٹ قبطی کے منہ میں جاتا خون بن جاتا، یہ عذاب بھی بدستور سابق سات روز رہا بالآخر پھر یہ بدکار بدعہد قوم چلا اٹھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی اور پہلے سے زیادہ موثق وعدے کئے، دعا کی گئی عذاب ہٹ گیا مگر یہ لوگ اپنی اسی ہٹ دھرمی پر جمے رہے، اس طرح یہ پانچ عذاب مسلسل ان پر آتے رہے مگر یہ لوگ اپنی گمراہی پر قائم رہے اسی کو قرآن کریم نے فرمایا:

فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ، یعنی ان لوگوں نے تکبر سے کام لیا اور یہ لوگ بڑے عادی مجرم تھے۔

اس کے بعد ایک چھٹے عذاب کا ذکر بعد کی آیت میں رجز کے نام سے آیا ہے، یہ لفظ اکثر طاعون کے لئے بولا جاتا ہے، چیچک وغیرہ وبائی امراض کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے، تفسیری روایات میں ہے کہ ان لوگوں پر طاعون کی وبا مسلط کردی گئی جس میں ان کے ستر ہزار آدمی ہلاک ہوگئے۔ اس وقت پھر ان لوگوں نے فریاد کی اور پھر دعا کرنے پر یہ عذاب ہٹا اور پھر بدستور ان لوگوں نے عہد شکنی کی، اتنی مسلسل آزمائشوں اور مہلتوں کے بعد جب ان میں کوئی احساس پیدا ہی نہ ہوا تو اب آخری عذاب آگیا کہ سب کے سب اپنے مکان زمینیں سامان کو چھوڑ کر موسیٰ علیہ السلام کے تعاقب میں نکلے اور بالآخر دریائے قلزم کا لقمہ بن گئے، فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ۔

وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ
اور وارث کردیا ہم نے ان لوگوں کو جو کمزور سمجھے جاتے تھے، اس زمین کے
الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ
مشرق اور مغرب کا کہ جس میں برکت رکھی ہے ہم نے اور پورا ہوگیا نیکی کا

رَبُّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ بِمَا صَبَرُوْا ۭ وَ

وعدہ تیرے رب کا بنی اسرائیل پر ، بسبب ان کے صبر کرنے کے ، اور

دَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا

خراب کر دیا ہم نے جو کچھ بنایا تھا فرعون اور اس کی قوم نے اور جو اونچا کر کے

يَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ

چڑھایا تھا ، اور پار اتار دیا ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے

فَاَتَوْا عَلٰي قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا يٰمُوْسَى

تو پہنچے ایک قوم پر جو بیٹھے تھے اپنے بتوں کے کہنے لگے اے موسیٰ

اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

بنا دے ہمارے عبادت کے لئے بھی ایک بت جیسے ان کے بت ہیں ، کہا تم لوگ تو جہل کرتے ہو ،

اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا

یہ لوگ ، تباہ ہونے والی ہے وہ چیز جس میں وہ لگے ہوئے ہیں اور غلط ہے جو وہ

يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ

کر رہے ہیں ، کہا ، کیا اللہ کے سوا ڈھونڈوں تمہارے واسطے کوئی اور معبود ، حالانکہ

فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ

اس نے تم کو بڑائی دی تمام جہان پر اور وہ وقت یاد کرو جب نجات دی ہم نے تم کو

فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْۗءَ الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَاۗءَكُمْ

فرعون والوں سے کہ دیتے تھے تم کو بڑا عذاب کہ مار ڈالتے تھے تمہارے بیٹوں کو

وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَاۗءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۱۴۱﴾ ع

اور جیتا رکھتے تھے تمہاری عورتوں کو اور اس میں احسان ہے تمہارے رب کا بڑا ۔

ع ۱۶

خلاصۂ تفسیر

اور (فرعون اور اہل فرعون کو غرق کر کے) ہم نے ان لوگوں کو جو کہ بالکل کمزور شمار کیے جاتے تھے (یعنی بنی اسرائیل) اس سرزمین کے پورب پچھم (یعنی تمام حدود) کا مالک بنا دیا جس میں ہم نے برکت رکھی ہے (ظاہری برکت کثرتِ پیداوار سے اور باطنی برکت ذی فضائل و مدفن و مسکنِ

انبیاء علیہم السلام ہونے سے) اور آپ کے رب کا اچھا وعدہ بنی اسرائیل کے حق میں اُن کے صبر کی وجہ سے پورا ہو گیا (جس کا حکم انہیں دیا گیا تھا اِصْبِرُوْا) اور ہم نے فرعون اور اس کی قوم کے ساختہ پرداختہ کارخانوں کو اور جو کچھ وہ اونچی اونچی عمارتیں بنواتے تھے سب کو درہم برہم کر دیا اور (جس دریا میں فرعون کو غرق کیا گیا) ہم نے بنی اسرائیل کو (اس) دریا سے پار اتار دیا (جس کا قصہ سورۂ شعراء میں ہے) پھر (پار ہونے کے بعد) ان لوگوں کا ایک قوم پر گزر ہوا جو اپنے چند بتوں کو لگے بیٹھے تھے (یعنی ان کی پوجا پاٹ کر رہے تھے) کہنے لگے اے موسیٰ ہمارے لئے بھی ایک (مجسّم) معبود ایسا ہی مقرر کر دیجئے جیسے ان کے یہ معبود ہیں، آپ نے فرمایا واقعی تم لوگوں میں بڑی جہالت ہے، یہ لوگ جس کام میں لگے ہیں (یہ من جانب اللہ بھی) تباہ کیا جائے گا (جیسا کہ عادۃ اللہ ہمیشہ سے جاری ہے کہ حق کو باطل پر غالب کر کے اس کو درہم برہم کر دیتے ہیں) اور ان کا یہ کام محض بے بنیاد ہے (کیونکہ شرک کا بطلان یقینی و بدیہی ہے) اور (فرمایا کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو تمہارا معبود بنا دوں حالانکہ اس نے تم کو (بعض نعمتوں میں) تمام دنیا جہاں والوں پر فوقیت دی ہے اور (اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے قول کی تائید کے لئے ارشاد فرمایا کہ) وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تم کو فرعون والوں (کے ظلم و ایذاء) سے بچا لیا جو تم کو بڑی سخت تکلیفیں پہنچاتے تھے کہ تمہارے بیٹوں کو بکثرت قتل کر ڈالتے تھے اور تمہاری عورتوں کو (اپنی بیگار اور خدمت کے لئے) زندہ چھوڑ دیتے تھے اور اس (واقعہ) میں تمہارے پروردگار کی طرف سے بڑی بھاری آزمائش تھی۔

معارف و مسائل

پچھلی آیات میں قومِ فرعون کی مسلسل سرکشی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مختلف عذابوں کے ذریعہ ان کی تنبیہات کا بیان تھا، مذکورہ آیات میں ان کے انجام بد اور بنی اسرائیل کی فتح و کامرانی کا ذکر ہے۔

پہلی آیت میں ارشاد ہے وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا، یعنی جس قوم کو کمزور ضعیف سمجھا جاتا تھا ان کو ہم نے اُس زمین کے مشرق و مغرب کا مالک بنا دیا جس میں ہم نے برکات رکھی ہیں۔

الفاظِ قرآن میں غور کیجئے، یہ نہیں فرمایا کہ جو قوم ضعیف و کمزور تھی بلکہ یہ فرمایا کہ جس کو قومِ فرعون نے ضعیف و کمزور سمجھا تھا، اشارہ اس کی طرف ہے کہ اللہ تعالیٰ جس قوم کی مدد پر ہوں وہ حقیقت میں کبھی کمزور و ذلیل نہیں ہوتی گو کسی وقت اس کے ظاہر حال سے دوسرے لوگ دھوکہ کھائیں اور

ان کو کمزور سمجھیں مگر انجام کار پر سب کو معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ کمزور و ذلیل نہ تھے، کیونکہ درحقیقت قوت و عزت حق تعالیٰ شانہ کے قبضہ میں ہے، تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ۔

اور زمین کا مالک بنا دینے کے لئے لفظ اَوْرَثْنَا ارشاد فرمایا کہ ہم نے ان کو وارث بنادیا، اس میں اشارہ اس کی طرف ہے کہ جس طرح وارث ہی اپنے مورث کے مال کا مستحق ہوتا ہے، باپ کی حیات ہی میں ہر شخص یہ جان لیتا ہے کہ اس کے مال و جائداد کی مالک آخرکار اس کی اولاد ہے اسی طرح علم الٰہی میں بنی اسرائیل پہلے ہی سے قوم فرعون کے ملک و مال کے مستحق تھے۔

مَشَارِقَ مشرق کی جمع ہے اور مَغَارِبَ مغرب کی، سردی گرمی کے مختلف موسموں میں مغرب و مشرق کے بدلنے کی وجہ سے جمع کا لفظ لایا گیا، اور زمین سے مراد اس جگہ جمہور مفسرین کے قول کے مطابق ملکِ شام اور مصر کی سرزمین ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو قوم فرعون اور قوم عمالقہ کے ہلاک ہونے کے بعد قبضہ اور حکومت عطا فرمائی۔

اور اَلَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا سے یہ بتلادیا کہ ان زمینوں میں اللہ تعالیٰ نے خصوصیت سے اپنی برکات نازل فرمائی ہیں، ملکِ شام کے بارے میں تو قرآن کریم کی متعدد آیات میں محلِ برکات ہونے کا ذکر ہے، اَلَّتِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ میں اسی کا بیان ہے، اسی طرح ارضِ مصر کے بارے میں بھی محل برکات و ثمرات ہونا متعدد روایات سے نیز مشاہدات سے ثابت ہے، حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا کہ مصر کا دریائے نیل سَیِّدُ الْاَنْهَارِ یعنی دریاؤں کا سردار ہے، اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے فرمایا کہ برکات کے دس حصوں میں سے نو مصر میں ہیں اور باقی ایک پوری زمین میں (بحر محیط)

خلاصہ یہ ہے کہ جس قوم کو غرور و پندار کے نشہ والوں نے اپنی کوتاہ نظری سے ذلیل و کمزور سمجھ رکھا تھا، ہم نے اسی کو ان متکبرین کی دولت و سلطنت اور ملک و مال کا مالک بنا کر دکھلا دیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کا وعدہ سچا ہوتا ہے، ارشاد فرمایا وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ یعنی آپ کے رب کا اچھا وعدہ بنی اسرائیل کے حق میں پورا ہوگیا۔

اس اچھے وعدے سے مراد یا تو وہ وعدہ ہے جو موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کیا تھا، عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِی الْاَرْضِ یعنی قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کردے اور ان کی زمین کا تمہیں مالک بنادے۔ اور یا وہ وعدہ ہے جو قرآن کریم میں دوسری جگہ خود حق تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے بارے میں فرمایا ہے:

وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَىِٕمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَنُرِیَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ، یعنی ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس قوم پر احسان کریں جن کو اس ملک میں کمزور و ذلیل سمجھا گیا ہے، اور

ان کو ہی سردار اور حکام بنادیں اور ان کو ہی اس زمین کا وارث قرار دیں اور اس زمین پر تصرفات کرنے کا حق دیں اور فرعون و ہامان اور ان کے لشکروں کو وہ چیز واقع کرکے دکھلادیں جس کے ڈر سے وہ موسیٰ علیہ السلام کے خلاف طرح طرح کی تدبیریں کر رہے ہیں۔

اور حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں وعدے ایک ہی ہیں، اللہ تعالیٰ کے وعدے ہی کی بنا پر موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے وعدہ کیا تھا، اس آیت میں اس وعدہ کا پورا ہونا لفظ تَمَّتْ سے بیان کیا گیا، کیونکہ وعدہ کا اتمام و تکمیل اُسی وقت ہوتی ہے جب وہ پورا ہوجائے۔

اس کے ساتھ ہی بنی اسرائیل پر اس انعام و احسان کی وجہ بھی بیان فرمادی بِمَا صَبَرُوْا یعنی اس وجہ سے کہ ان لوگوں نے اللہ کے راستہ میں تکلیفیں برداشت کیں اور ان پر ثابت قدم رہے اس میں اشارہ کردیا کہ ہمارا یہ احسان و انعام کچھ بنی اسرائیل ہی کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ ان کے عمل صبر و ثابت قدمی کا نتیجہ تھا جو شخص یا جو قوم اس عمل کو اختیار کرے ہمارا انعام ہر جگہ ہر وقت اُس کے لئے موجود ہے ؎

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو اُتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب نصرتِ الٰہی کا وعدہ اپنی قوم سے کیا تھا اس وقت بھی انہوں نے قوم کو یہی بتلایا تھا کہ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنا اور مصائب و آفات کا ثابت قدمی کے ساتھ مقابلہ کرنا ہی کلید کامیابی ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس آیت میں اشارہ پایا جاتا ہے کہ جب انسان کا مقابلہ کسی ایسے شخص یا جماعت سے ہو جس کا دفاع کرنا اس کی قدرت میں نہ ہو تو ایسے وقت کامیابی اور فلاح کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ مقابلہ نہ کرے بلکہ صبر کرے، انہوں نے فرمایا کہ جب کوئی آدمی کسی کی ایذاء کا مقابلہ اس کی ایذاء سے کرتا ہے یعنی اپنا انتقام خود لینے کی فکر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اسی کے حوالے کردیتے ہیں کامیاب ہونا کام، اور جب کوئی شخص لوگوں کی ایذاء کا مقابلہ صبر اور نصرتِ الٰہی کے انتظار سے کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ خود اس کے لئے راستے کھول دیتے ہیں۔

اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے صبر و ثابت قدمی پر یہ وعدہ فرمایا تھا کہ ان کو دشمن پر فتح اور زمین پر حکومت عطا کریں گے اسی طرح امتِ محمدیہ سے بھی وعدہ فرمایا ہے جو سورۂ نور میں مذکور ہے، وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ، اور جس طرح بنی اسرائیل نے وعدۂ خداوندی کا مشاہدہ کرلیا تھا، امتِ محمدیہ نے ان سے زیادہ واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی مدد کا مشاہدہ کیا کہ پوری زمین پر ان کی حکومت و سلطنت عام ہوگئی (روح البیان)

یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ بنی اسرائیل نے تو صبر سے کام نہیں لیا، بلکہ جب موسیٰ علیہ السلام نے صبر کی تلقین فرمائی تو خفا ہو کر کہنے لگے اُوْذِیْنَا، وجہ یہ ہے کہ اول تو ان کا صبر بمقابلہ فرعونی ایذاؤں کے اور ایمان پر ثابت قدم رہنا مسلسل ثابت ہے اگر ایک دفعہ لفظ شکایت نکل بھی گیا تو اس پر نظر نہیں کی گئی، دوسرے یہ بھی ممکن ہے کہ بنی اسرائیل کا یہ قول بطور شکایت نہ ہو بلکہ بطور اظہار رنج و غم کے ہو۔

آیت متذکرہ میں اس کے بعد فرمایا وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ، یعنی ہم نے تباہ و برباد کر دیا اُن سب چیزوں کو جو فرعون اور اس کی قوم بنایا کرتی تھی اور ان عمارتوں یا درختوں کو جن کو وہ بلند کیا کرتی تھی۔ فرعون اور قوم فرعون کی بنائی ہوئی چیزوں میں ان کے مکانات و عمارات اور گھریلو ضرورت کے سامان، نیز وہ مختلف قسم کی تدبیریں جو وہ موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کے لئے کرتے تھے، سب داخل ہیں، اور وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ، یعنی جس کو وہ بلند کرتے تھے، اس میں بلند محلات و مکانات بھی داخل ہیں اور بلند درخت اور وہ انگور کی بیلیں بھی جن کو چھتوں پر چڑھایا جاتا ہے۔

یہاں تک قوم فرعون کی تباہی کا ذکر تھا، آگے بنی اسرائیل کی فتح و کامرانی کے بعد ان کی سرکشی اور جہالت اور کجروی کا بیان شروع ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی بیشمار نعمتوں کے مشاہدہ کے باوجود ان لوگوں سے سرزد ہوئی، جس کا مقصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا ہے کہ پچھلے انبیاء نے اپنی امت کے ہاتھوں کیسی کیسی تکلیفیں اٹھائی ہیں، ان کو سامنے رکھنے سے موجودہ کفار کی ایذا، ہلکی ہو جائے گی۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ، یعنی ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار اتار دیا، بنی اسرائیل کو قوم فرعون کے مقابلہ میں معجزانہ کامیابی حاصل ہوئی اور اطمینان ملا تو اُس کا وہی اثر ہوا جو عام قوموں پر عیش و عشرت اور عزت و دولت کا ہوا کرتا ہے کہ ان میں جاہلانہ چیزیں پیدا ہونا شروع ہو گئیں۔

واقعہ یہ پیش آیا کہ یہ قوم ابھی ابھی اعجاز موسوی کے ساتھ دریا سے پار ہوئی اور پوری قوم فرعون کے غرق دریا ہونے کا تماشہ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر ذرا آگے بڑھی تو ایک قبیلہ پر گزر ہوا جو مختلف بتوں کی پرستش میں مبتلا تھا، بنی اسرائیل کو کچھ ان کا ہی طریقہ پسند آنے لگا، اور موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ جیسے ان لوگوں کے بہت سے معبود ہیں آپ ہمارے لئے بھی کوئی ایسا ہی معبود بنا دیجئے کہ ہم بھی ایک محسوس چیز کو سامنے رکھ کر عبادت کیا کریں، اللہ تعالیٰ کی ذات تو سامنے نہیں، موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ یعنی تم لوگوں

میں بڑی جہالت ہے، یہ لوگ جن کے طریقہ کو تم نے پسند کیا ان کے اعمال سب ضائع و برباد ہیں یہ باطل کے پیرو ہیں تمہیں ان کی حرص نہ کرنا چاہئے، کیا میں تمہارے لئے اللہ کے سوا کسی کو معبود بنا دوں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ہی تم کو تمام جہاں والوں پر فضیلت بخشی ہے، مُراد اُس وقت کے اہل عالم ہیں کہ اُس وقت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے ہی دوسرے سب لوگوں سے افضل و اعلیٰ تھے۔

اس کے بعد بنی اسرائیل کو ان کی پچھلی حالت یاد دلائی گئی کہ وہ فرعون کے ہاتھوں میں ایسے مجبور و مقہور تھے کہ ان کے لڑکوں کو قتل کیا جاتا تھا صرف لڑکیاں اپنی خدمت کے لئے رکھی جاتی تھیں، اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی برکت و دعا سے اس عذاب سے نجات دی، کیا اس احسان کا اثر یہ ہونا چاہئے کہ تم اسی رب العالمین کے ساتھ دنیا کے ذلیل ترین پتھروں کو شریک ٹھہراؤ، یہ کیسا ظلم عظیم ہے، اس سے توبہ کرو۔

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ

اور وعدہ کیا ہم نے موسیٰ سے تیس رات کا اور پورا کیا ان کو اور دس سے پس پوری ہو گئی مدت

رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ

تیرے رب کی چالیس راتیں اور کہا موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے

اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴۲﴾

کہ میرا خلیفہ رہ میری قوم میں اور اصلاح کرتے رہنا اور مت چلنا مفسدوں کی راہ۔

خلاصۂ تفسیر

اور (جب بنی اسرائیل سب پریشانیوں سے مطمئن ہو گئے تو موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ اب ہم کو کوئی شریعت ملے تو اس پر اطمینان کے ساتھ عمل کریں، موسیٰ علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے درخواست کی، حق تعالیٰ اس کا قصہ اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ) ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) سے تیس راتوں کا وعدہ کیا (کہ طور پر آ کر اعتکاف کریں تو آپ کو شریعت اور کتاب تورات دی جائے گی) اور دس راتیں مزید ان تیس راتوں کا تتمہ بنا دیا (یعنی تورات دے کر اُن میں دس راتیں عبادت کے لئے اور بڑھا دیں جس کی وجہ سورۂ بقرہ میں مذکور ہو چکی ہے)، اس طرح اُن کے پروردگار کا (مقرر کیا ہوا) وقت (سب مل کر) پوری چالیس راتیں ہو گیا اور موسیٰ (علیہ السلام) کوہ طور آنے لگے

تو چلتے وقت) اپنے بھائی ہارون (علیہ السلام) سے کہہ دیا تھا کہ میرے بعد ان لوگوں کا انتظام رکھنا اور اصلاح کرتے رہنا اور بدنظم لوگوں کی رائے پر عمل نہ کرنا۔

معارِف ومسائل

اس آیت میں موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کا وہ واقعہ مذکور ہے جو غرقِ فرعون اور بنی اسرائیل کے مطمئن ہونے کے بعد پیش آیا کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ اب ہم مطمئن ہیں، اب ہمیں کوئی کتاب اور شریعت ملے تو ہم بے فکری کے ساتھ اُس پر عمل کریں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے دعا کی۔

اس میں لفظِ وَاعَدْنَا وَعْدہ سے مشتق ہے، اور وَعْدہ کی حقیقت یہ ہے کہ کسی کو نفع پہنچانے سے پہلے اس کا اظہار کر دینا کہ ہم تمہارے لئے فلاں کام کریں گے۔

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر اپنا کلام نازل کرنے کا وعدہ فرمایا اور اس کے لئے یہ شرط لگائی کہ تیس راتیں کوہِ طور پر اعتکاف اور ذکر اللہ میں گزار دیں اور پھر ان تیس پر اور دس راتوں کا اضافہ کر کے چالیس کر دیا۔

لفظ وَاعَدْنَا کے اصلی معنی دو طرف سے وعدے اور معاہدے کے آتے ہیں، یہاں بھی حضرت حق جَلَّ شَانُہٗ کی طرف سے عطاء تورات کا وعدہ تھا اور موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے تیس چالیس راتوں کے اعتکاف کا، اس لئے بجائے وَعَدْنَا کے وَاعَدْنَا فرمایا۔

اس آیت میں چند مسائل اور احکام قابلِ غور ہیں:

اوّل یہ کہ جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہی یہ تھا کہ اعتکاف چالیس راتوں کا کرایا جائے تو پہلے تیس اور بعد میں دس کا اضافہ کر کے چالیس کرنے میں کیا حکمت تھی، پہلے ہی چالیس راتوں کے اعتکاف کا حکم دے دیا جاتا تو کیا حرج تھا، سو اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کا احاطہ تو کون کر سکتا ہے، بعض حکمتیں علماء نے بیان کی ہیں۔

تفسیر روح البیان میں ہے کہ اس میں ایک حکمت تدریج اور آہستگی کی ہے کہ کوئی کام کسی کے ذمہ لگایا جائے تو اول ہی زیادہ مقدار کام کی اس پر نہ ڈالی جائے تاکہ وہ آسانی سے ابتدا کرے، پھر مزید کام دیا جائے۔

اور تفسیر قرطبی میں ہے کہ اس طرز میں حکام اور اولوالامر کو اس کی تعلیم دینا ہے کہ اگر کسی کو کوئی کام ایک معین وقت میں پورا کرنے کا حکم دیا جائے اور اس معین میعاد میں وہ پورا نہ کر سکے تو اس کو مزید مہلت دی جائے، جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں پیش آیا کہ تیس راتیں پوری کرنے

کے بعد جس کیفیت کا حاصل ہونا مطلوب تھا وہ پوری نہ ہوئی اس لئے مزید دس راتوں کا اضافہ کیا گیا کیونکہ ان دس راتوں کے اضافہ کا جو واقعہ مفسرین نے ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ تیس راتوں کے اعتکاف میں موسیٰ علیہ السلام نے حسب قاعدہ تیس روزے بھی مسلسل رکھے بیچ میں افطار نہیں کیا، تیسواں روزہ پورا کرنے کے بعد افطار کر کے مقررہ مقام طُور پر حاضر ہوئے تو حق تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ روزہ دار کے منہ سے جو ایک خاص قسم کی رائحہ معدہ کی تغیر سے پیدا ہو جاتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے، آپ نے افطار کے بعد مسواک کر کے اس رائحہ کو زائل کر دیا، اس لئے مزید دس روزے اور رکھیئے تاکہ وہ رائحہ پھر پیدا ہو جائے۔

اور بعض روایاتِ تفسیر میں جو اس جگہ یہ منقول ہے کہ تیسویں روزہ کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے مسواک کر لی تھی جس کے ذریعہ وہ رائحہ صوم زائل ہو گیا تھا، اس سے اس بات پر استدلال نہیں ہو سکتا کہ روزہ دار کے لئے مسواک کرنا مکروہ یا ممنوع ہے کیونکہ اول تو اس روایت کی کوئی سند مذکور نہیں، دوسرے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ حکم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ذات سے متعلق ہو عام لوگوں کے لئے نہ ہو یا شریعتِ موسوی میں ایسا ہی حکم سب کے لئے ہو کہ روزہ کی حالت میں مسواک نہ کی جائے، لیکن شریعتِ محمدیہ میں تو بحالتِ روزہ مسواک کرنے کا معمول حدیث سے ثابت ہے جس کو بیہقی نے بروایتِ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خَيْرُ خِصَالِ الصَّائِمِ السِّوَاكُ یعنی روزہ دار کا بہترین عمل مسواک ہے۔ اس روایت کو جامع صغیر میں نقل کر کے حَسَن فرمایا ہے۔

فائدہ اس روایت پر ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب تلاشِ خضرؑ میں سفر کر رہے تھے تو آدھے دن بھوک پر صبر نہ ہو سکا اور اپنے ساتھی سے فرمانے لگے اٰتِنَا غَدَآءَنَا لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا یعنی ہمارا ناشتہ لاؤ کیونکہ اس سفر نے ہم کو تکان میں ڈال دیا، اور کوہِ طور پر مسلسل تیس روزے اس طرح رکھے کہ رات کو بھی افطار نہیں، یہ عجیب بات ہے؟

تفسیر روح البیان میں ہے کہ یہ فرق ان دونوں سفروں کی نوعیت کے سبب سے تھا، پہلا سفر مخلوق کے ساتھ مخلوق کی تلاش میں تھا، اور کوہِ طور کا سفر مخلوق سے علیحدہ ہو کر ایک ذات حق سُبحانہ کی جستجو میں، اس کا یہی اثر ہونا تھا کہ بشری تقاضے نہایت مضمحل ہو گئے، کھانے پینے کی حاجت اتنی گھٹ گئی کہ تیس روز تک کوئی تکلیف محسوس نہیں فرمائی۔

ایک اور مسئلہ اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کے شرائع میں تاریخ کا حساب رات سے ہوتا ہے، کیونکہ اس آیت میں بھی تیس دن کے بجائے تیس راتوں کا ذکر فرمایا ہے، وجہ یہ ہے کہ شرائعِ انبیاء میں مہینے قمری

عبادات میں قمری حساب معتبر ہے، دنیوی معاملات میں شمسی حساب کی گنجائش ہے۔

معتبر ہیں اور قمری مہینہ کا شروع چاند دیکھنے سے ہوتا ہے، وہ رات ہی میں ہوسکتا ہے اس لئے مہینہ رات سے شروع ہوتا ہے پھر اسکی ہر تاریخ غروب آفتاب سے شمار ہوتی ہے۔ جتنے آسمانی مذہب ہیں ان سب کا حساب اسی طرح قمری مہینوں سے اور شروع تاریخ غروب آفتاب سے اعتبار کی جاتی ہے۔

قرطبی نے بحوالہ ابن عربی نقل کیا ہے کہ

حِسَابُ الشَّمْسِ لِلْمَنَافِعِ وَحِسَابُ الْقَمَرِ لِلْمَنَاسِكِ یعنی شمسی حساب دنیوی منافع کے لئے ہے اور قمری حساب ادا عبادات کے لئے۔

اور یہ تیس راتیں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی تفسیر کے مطابق ماہ ذی القعدہ کی راتیں تھیں اور پھر ان پر دس راتیں ذی الحجہ کی بڑھائی گئیں، اس سے معلوم ہوا کہ تورات کا عطیہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یوم النحر (یعنی عید الاضحیٰ) کے دن ملا (قرطبی)

ایک مسئلہ، اصلاح نفسی میں چالیس دن رات کو خاص دخل ہے۔

اس آیت کے اشارہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ چالیس راتوں کو باطنی حالات کی اصلاح میں کوئی خاص دخل ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص چالیس روز اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے قلب سے حکمت کے چشمے جاری فرما دیتے ہیں۔ (روح البیان)

انسان کو اپنے سب کاموں میں تدریج اور آہستگی کی تعلیم

اس آیت سے ثابت ہوا کہ اہم کاموں کے لئے ایک خاص میعاد مقرر کرنا، اور سہولت و تدریج سے انجام دینا سنت الٰہیہ ہے، عجلت اور جلد بازی اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔

سب سے پہلے خود حق تعالیٰ نے اپنے کام یعنی پیدائش عالم کے لئے ایک میعاد چھ روز کی متعین فرما کر یہ اصول بتلا دیا ہے، حالانکہ حق تعالیٰ کو آسمان زمین اور سارے عالم کو پیدا کرنے کے لئے ایک منٹ کی بھی ضرورت نہیں جب وہ کسی چیز کو پیدا کرنے کے لئے فرمادیں کہ ہو جا وہ فوراً ہو جاتی ہے مگر اس خاص طرز عمل میں مخلوق کو یہ ہدایت دینا تھی کہ اپنے کاموں کو غور و فکر اور تدریج کے ساتھ انجام دیا کریں، اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا فرمائی تو اس کے لئے بھی ایک میعاد مقرر فرمائی اس میں اسی اصول کی تعلیم ہے۔ (قرطبی)

اور یہی وہ اصول تھا جس کو نظر انداز کر دینا بنی اسرائیل کی گمراہی کا سبب بنا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سابق حکم خداوندی کے مطابق اپنی قوم سے یہ کہہ کر گئے تھے کہ تیس روز کے لئے جا رہا ہوں یہاں جب دس روز کی مدت بڑھ گئی تو اپنی جلد بازی کے سبب لگے یہ کہنے کہ موسیٰ علیہ السلام

تو کہیں گم ہو گئے، اب ہمیں کوئی دوسرا پیشوا بنا لینا چاہئے۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ سامری کے دام میں پھنس کر "گوسالہ" پرستی شروع کر دی، اگر غور و فکر اور اپنے کاموں میں تدریج و تامل کے عادی ہوتے تو یہ نوبت نہ آتی (قرطبی)

آیت کے دوسرے جملہ میں ارشاد ہے وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ، اس جملہ سے بھی چند مسائل اور احکام نکلتے ہیں۔

ضرورت کے وقت ناظم امور کو اپنا قائم مقام تجویز کرنا۔

اول یہ کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق کوہ طور پر جا کر اعتکاف کرنے کا ارادہ کیا تو اپنے ساتھی حضرت ہارون علیہ السلام سے فرمایا اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ یعنی میرے پیچھے آپ میری قوم میں میری قائم مقامی کے فرائض انجام دیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ جو شخص کسی کام کا ذمہ دار ہو وہ اگر کسی ضرورت سے کہیں جائے تو اس پر لازم ہے کہ اس کام کا انتظام کر کے جائے۔

نیز یہ ثابت ہوا کہ حکومت کے ذمہ دار حضرات جب کہیں سفر کریں تو اپنا قائم مقام اور خلیفہ مقرر کر کے جائیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عام عادت یہی تھی کہ جب کبھی مدینہ سے باہر جانا ہوا تو کسی شخص کو خلیفہ بنا کر جاتے تھے، ایک مرتبہ حضرت علی مرتضیٰؓ کو خلیفہ بنایا، ایک مرتبہ عبداللہ بن ام مکتومؓ کو اسی طرح مختلف اوقات میں مختلف صحابہ کو مدینہ میں خلیفہ بنا کر باہر تشریف لے گئے۔ (قرطبی)

موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کو خلیفہ بنانے کے وقت ان کو چند ہدایات دیں اس سے معلوم ہوا کہ جس کو قائم مقام بنایا جائے اس کی سہولت کار کے لئے ضروری ہدایات دے کر جائے، ان ہدایات میں پہلی ہدایت یہ ہے کہ اَصْلِحْ، اس میں اَصْلِحْ کا مفعول ذکر نہیں فرمایا کہ کس کی اصلاح کرو، اس سے اشارہ اس عموم کی طرف ہے کہ اپنی بھی اصلاح کرو اور اپنی قوم کی بھی، یعنی جب ان میں کوئی بات فساد کی محسوس کرو تو ان کو راہ راست پر لانے کی کوشش کرو، دوسری ہدایت یہ دی کہ لَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ یعنی فساد کرنے والوں کے راستہ کا اتباع نہ کرو، ظاہر ہے کہ ہارون علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں، ان سے فساد میں مبتلا ہونے کا تو خطرہ نہ تھا اس لئے اس ہدایت کا مطلب یہ تھا کہ مفسدین کی مدد یا ہمت افزائی کا کوئی کام نہ کرو۔

چنانچہ حضرت ہارون علیہ السلام نے جب قوم کو دیکھا کہ سامری کے پیچھے چلنے لگے یہاں تک کہ اس کے کہنے سے گوسالہ پرستی شروع کر دی تو قوم کو اس بے ہودگی سے روکا اور سامری کو ڈانٹا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے واپسی کے بعد جب یہ خیال کیا کہ ہارون علیہ السلام نے میرے

پیچھے اپنے فرض ادا کرنے میں کوتاہی کی تو ان سے مواخذہ فرمایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس واقعہ سے ان لوگوں کو سبق لینا چاہئے جو بدنظمی اور بے فکری ہی کو سب سے بڑی بزرگی سمجھتے ہیں۔

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ

اور جب پہنچا موسیٰ ہمارے وعدہ پر اور کلام کیا اس سے اس کے رب نے بولا اے میرے رب تو مجھ کو

اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۭ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ

دکھا کہ میں تجھ کو دیکھوں فرمایا تو مجھ کو ہرگز نہ دیکھے گا لیکن تو دیکھتا رہ پہاڑ کی طرف اگر وہ

اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ

اپنی جگہ ٹھہرا رہا تو تو مجھ کو دیکھ لے گا پھر جب تجلی کی اس کے رب نے پہاڑ کی طرف

جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ

کر دیا اس کو ڈھا کر برابر اور گر پڑا موسیٰ بے ہوش ہو کر پھر جب ہوش میں آیا بولا تیری ذات پاک ہے،

تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى

میں نے توبہ کی تیری طرف اور میں سب سے پہلے یقین لایا ۔ فرمایا اے موسیٰ میں نے

اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ ۠ فَخُذْ مَآ

تجھ کو امتیاز دیا لوگوں سے اپنے پیغام بھیجنے کا اور اپنے کلام کرنے کا سو لے جو

اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ

میں نے تجھ کو دیا اور شاکر رہ اور لکھ دی ہم نے اس کو تختیوں پر

مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ

ہر قسم کی نصیحت اور تفصیل ہر چیز کی ۔ سو پکڑ لے ان کو زور سے

وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ۭ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

اور حکم کر اپنی قوم کو کہ پکڑے رہیں اس کی بہتر باتیں عنقریب میں تم کو دکھلاؤں گا گھر نافرمانوں کا۔

خلاصۂ تفسیر

اور جب موسیٰ (علیہ السلام اس واقعہ میں) ہمارے وقت (موعود) پر آئے (جس کا قصہ بیان ہو رہا ہے) اور ان کے رب نے ان سے (بہت سی لطف و عنایت کی) باتیں کیں تو (شدتِ

انبساط سے دیدار کا اشتیاق پیدا ہوا) عرض کیا کہ اے میرے پروردگار اپنا دیدار مجھ کو دکھلا دیجئے کہ میں آپ کو ایک نظر دیکھ لوں، ارشاد ہوا کہ تم مجھ کو (دنیا میں) ہرگز نہیں دیکھ سکتے، (کیونکہ یہ آنکھیں تاب جمال نہیں لاسکتیں، کما فی المشکوٰۃ عن مسلم لاحرقت سبحات وجھہ) لیکن (تمہاری تشفی کے لئے یہ تجویز کرتے ہیں کہ) تم اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو (ہم اس پر ایک جھلک ڈالتے ہیں) سو اگر یہ اپنی جگہ برقرار رہا تو (خیر) تم بھی دیکھ سکو گے (غرض موسیٰ علیہ السلام اس کی طرف دیکھنے لگے) پس ان کے رب نے جو اس پر تجلی فرمائی تو تجلی نے اس (پہاڑ) کے پرخچے اڑا دیئے اور موسیٰ (علیہ السلام) بیہوش ہو کر گر پڑے، پھر جب افاقہ میں آئے تو عرض کیا بیشک آپ کی ذات (ان آنکھوں کی برداشت سے) منزہ (اور بلند) ہے میں آپ کی جناب میں (اس مشتاقانہ درخواست سے) معذرت کرتا ہوں اور (جو کچھ حضور کا ارشاد ہے کہ لَنْ تَرٰىنِيْ) سب سے پہلے میں (اس پر یقین کرتا ہوں، ارشاد ہوا کہ اے موسیٰؑ! (یہی بہت ہے کہ) میں نے (تم کو) اپنی (طرف سے) پیغمبری (کا عہدہ دے کر) اور اپنے (ساتھ) ہم کلامی (کا شرف بخش کر اس) سے اور لوگوں پر تم کو امتیاز دیا ہے تو (اب) جو کچھ تم کو میں نے عطا کیا ہے (رسالت و ہم کلامی و تورات) اس کو لو اور شکر کرو اور ہم نے چند تختیوں پر ہر قسم کی (ضروری) نصیحت اور (احکام ضروریہ کے متعلق) ہر چیز کی تفصیل ان کو لکھ کر دی (یہی تختیاں تورات ہیں، پھر حکم ہوا کہ جب یہ تختیاں ہم نے دی ہیں) تو ان کو کوشش کے ساتھ (خود بھی) عمل میں لاؤ اور اپنی قوم کو (بھی) حکم کرو کہ ان کے اچھے اچھے احکام پر (یعنی سب پر کہ سب ہی اچھے ہیں) عمل کریں میں اب بہت جلد تم لوگوں کو (یعنی بنی اسرائیل کو) ان بے حکموں کا (یعنی فرعونیوں کا یا عمالقہ کا) مقام دکھلاتا ہوں (اس میں بشارت اور وعدہ ہے کہ مصر یا شام پر عنقریب تسلط ہوا چاہتا ہے، مقصود اس سے ترغیب دینا ہے اطاعت کی کہ اطاعتِ احکام الٰہیہ کے یہ برکات ہیں)

معارف و مسائل

لَنْ تَرٰىنِيْ (یعنی آپ مجھے نہیں دیکھ سکتے) اس میں اشارہ ہے کہ رؤیت ناممکن نہیں مگر مخاطب بحالتِ موجودہ اس کو برداشت نہیں کرسکتا، ورنہ اگر رؤیت ممکن ہی نہ ہوتی تو لَنْ تَرٰىنِيْ کے بجائے لَنْ اُرٰی کہا جاتا کہ میری رُؤیت نہیں ہوسکتی (مظہری)

اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار دنیا میں بھی عقلاً ممکن تو ہے مگر اس آیت سے اس کا ممتنع الوقوع ہونا بھی ثابت ہوگیا اور یہی مذہب ہے جمہور اہلِ سنت کا کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ

کی رؤیت عقلاً ممکن ہے مگر شرعاً ممتنع، جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے لن یریٰ احدٌ منکم ربہٗ حتی یموت، یعنی تم میں سے کوئی شخص مرنے سے پہلے اپنے رب کو نہیں دیکھ سکتا۔

وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ، اس میں اس امر کی شہادت ہے کہ بحالاتِ موجودہ مخاطب رؤیتِ الٰہی کو برداشت نہیں کرسکتا اس لئے پہاڑ پر ادنیٰ سی جھلک ڈال کر بتلا دیا گیا کہ وہ بھی برداشت نہیں کرسکتا، انسان تو ضعیف الخلقت ہے وہ کیسے برداشت کرے۔

فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ۔ تجلّی کے معنی عربی لغت میں ظاہر اور منکشف ہونے کے ہیں، اور صوفیہ کرام کے نزدیک تجلی کے معنی کسی چیز کو بالواسطہ دیکھنے کے ہیں، جیسے کوئی چیز بواسطہ آئینہ کے دیکھی جائے، اسی لئے تجلی کو رؤیت نہیں کہہ سکتے، خود اسی آیت میں اس کی شہادت موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رؤیت کی تو نفی فرمائی اور تجلی کا اثبات۔

امام احمد، ترمذی، حاکم نے بروایتِ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کیا ہے اور اس کی سند کو ترمذی و حاکم نے صحیح قرار دیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت فرما کر ہاتھ کی چھوٹی انگلی (خنصر) کے سرے پر انگوٹھا رکھ کر اشارہ فرمایا کہ اللہ جل شانہٗ کے نور کا صرف اتنا سا حصہ ظاہر کیا گیا تھا جس سے پہاڑ کے ٹکڑے اڑ گئے، یہ ضروری نہیں کہ سارے پہاڑ کے ٹکڑے ہوگئے ہوں بلکہ جس حصہ پر حق تعالیٰ نے یہ تجلی فرمائی وہ حصہ ہی اس سے متاثر ہوا ہو۔

موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کا کلام۔ اتنی بات تو قرآن کے واضح الفاظ سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بلا واسطہ کلام فرمایا، پھر اس کلام میں بھی ایک تو وہ ہے جو اول عطاءِ نبوت کے وقت ہوا تھا، دوسرا کلام یہ ہے جو عطاءِ تورات کے وقت ہوا اور جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔ آیت کے الفاظ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس دوسرے کلام کو بہ نسبت پہلے کے کچھ مزید خصوصیت حاصل تھی، لیکن حقیقت اس کلام کی کیا اور کس طرح تھی اس کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہوسکتا، اُس میں جتنے احتمالاتِ عقلیہ ایسے ہوں جو شریعت کے کسی حکم کے خلاف نہ ہوں سب کی گنجائش ضرور ہے مگر ان احتمالات میں کسی ایک کو متعین کرنا بلا دلیل درست نہیں، اور سلف صالحین صحابہ و تابعین ہی کا مسلک اس معاملہ میں اسلم ہے کہ اس معاملہ کو حوالہ خدا کیا جائے، احتمالات نکالنے کی فکر میں نہ پڑیں (بیان القرآن)

سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ، اس جگہ دار الفاسقین سے کیا مراد ہے، اس میں دو قول ہیں، ایک ملکِ مصر، دوسرا ملکِ شام، کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فتح کرنے سے پہلے مصر پر فرعون اور اس کی قوم حکمران اور غالب تھی اس کی وجہ سے مصر کو دار الفاسقین، اور ملکِ شام پر عمالقہ کا قبضہ تھا وہ بھی کافر فاسق تھے اس لئے اُس وقت شام بھی دار الفاسقین

تھا، ان دونوں میں سے اس جگہ کونسا ملک مراد ہے، اس میں اختلاف اس بنیاد پر ہے کہ غرقِ فرعون کے بعد بنی اسرائیل مصر میں واپس چلے گئے تھے یا نہیں، اگر اس وقت مصر میں واپس گئے اور مملکتِ مصر پر قابض ہوئے جیسا کہ آیت وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ سے اس کی تائید ہوتی ہے تو مصر پر قبضہ اور غلبہ اس واقعۂ تجلی طور سے پہلے ہوچکا ہے اس میں سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ کا مفہوم ملکِ شام متعین ہوجاتا ہے۔ اور اگر اس وقت واپس نہیں گئے تو دونوں ملک مراد ہوسکتے ہیں۔

وَكَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تورات کی تختیاں لکھی لکھائی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سپرد کی گئی تھیں، انہی تختیوں کے مجموعہ کا نام تورات ہے۔

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ

میں پھیر دوں گا اپنی آیتوں سے ان کو جو تکبر کرتے ہیں زمین میں ناحق

الْحَقِّ ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا

اور اگر دیکھ لیں ساری نشانیاں ایمان نہ لائیں ان پر اور اگر دیکھیں

سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ

رستہ ہدایت کا تو نہ ٹھہرائیں اس کو راہ اور اگر دیکھیں رستہ

الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ

گمراہی کا تو اس کو ٹھہرالیں راہ یہ اس لئے کہ انہوں نے جھوٹ جانا ہماری آیتوں کو اور

كَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَاۗءِ

رہے ان سے بے خبر اور جنہوں نے جھوٹ جانا ہماری آیتوں کو اور آخرت کی

الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۭ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا

ملاقات کو برباد ہوئیں ان کی محنتیں وہی بدلہ پائیں گے جو کچھ

ع ۱۷ يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ

عمل کرتے تھے اور بنا لیا موسیٰ کی قوم نے اس کے پیچھے اپنے زیور سے

عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ۭ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا

بچھڑا ایک بدن کہ اس میں گائے کی آواز تھی، کیا انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ وہ ان سے بات بھی نہیں کرتا اور

يَهْدِيهِمْ سَبِيلًا ۘ اتَّخَذُوهُ وَكَانُوا ظَالِمِينَ ﴿١٤٨﴾ وَلَمَّا

نہیں بتلاتا رستہ معبود بنالیا اس کو اور وہ تھے ظالم اور جب

سُقِطَ فِي أَيْدِيهِمْ وَرَأَوْا أَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوا ۙ قَالُوا

پچھتائے اور سمجھے کہ ہم بیشک گمراہ ہو گئے تو کہنے لگے

لَئِنْ لَمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿١٤٩﴾

اگر نہ رحم کرے ہم پر ہمارا رب اور نہ بخشے ہم کو تو بیشک ہم تباہ ہوں گے

وَلَمَّا رَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا

اور جب لوٹ آیا موسیٰ اپنی قوم میں غصہ میں بھرا ہوا افسوسناک بولا کیا بری

خَلَفْتُمُونِي مِنْ بَعْدِي ۖ أَعَجِلْتُمْ أَمْرَ رَبِّكُمْ ۖ وَأَلْقَى

نیابت کی تم نے میری میرے بعد کیوں جلدی کی تم نے اپنے رب کے حکم سے اور ڈال دیں

الْأَلْوَاحَ وَأَخَذَ بِرَأْسِ أَخِيهِ يَجُرُّهُ إِلَيْهِ ۚ قَالَ ابْنَ أُمَّ

وہ تختیاں اور پکڑا سر اپنے بھائی کا لگا کھینچنے اس کو اپنی طرف وہ بولا اے میری ماں کے

إِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُونِي وَكَادُوا يَقْتُلُونَنِي ۖ فَلَا تُشْمِتْ

جنے لوگوں نے مجھ کو کمزور سمجھا اور قریب تھے کہ مجھ کو مار ڈالیں سو مت ہنسا

بِيَ الْأَعْدَاءَ وَلَا تَجْعَلْنِي مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿١٥٠﴾ قَالَ

مجھ پر دشمنوں کو اور نہ ملا مجھ کو گنہگار لوگوں میں بولا

رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِأَخِي وَأَدْخِلْنَا فِي رَحْمَتِكَ ۖ وَأَنْتَ

اے میرے رب معاف کر مجھ کو اور میرے بھائی کو اور داخل کر ہم کو اپنی رحمت میں اور تو

أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴿١٥١﴾

سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

ع ۱۶

خلاصۂ تفسیر

(اب ترغیب اطاعت کے بعد ترہیب مخالفت کے لئے ارشاد ہے کہ) میں ایسے لوگوں کو اپنے احکام سے برگشتہ ہی رکھوں گا جو دنیا میں (احکام ماننے سے) تکبر کرتے ہیں جس کا ان کو کوئی حق حاصل نہیں (کیونکہ اپنے کو بڑا سمجھنا حق اس کا ہے جو واقع میں بڑا ہو) اور وہ ایک

خدا کی ذات ہے) اور (برگشتگی کا ان پر یہ اثر ہوگا کہ) اگر تمام (دنیا بھر کی) نشانیاں (بھی) دیکھ لیں تب بھی (غایت قساوت سے) ان پر ایمان نہ لاویں اور اگر ہدایت کا راستہ دیکھیں تو اس کو اپنا طریقہ نہ بنائیں اور اگر گمراہی کا راستہ دیکھ لیں تو اس کو اپنا طریقہ بنالیں (یعنی حق کے قبول نہ کرنے سے پھر دل سخت ہو جاتا ہے اور برگشتگی اس حد تک پہنچ جاتی ہے) یہ (اس درجہ کی برگشتگی) اس سبب سے ہے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو (تکبر کی وجہ سے) جھوٹا بتلایا اور ان (کی حقیقت میں غور کرنے) سے غافل رہے (یہ سزا تو دنیا میں ہوئی کہ ہدایت سے محروم رہے) اور (آخرت میں یہ سزا ہوگی کہ) یہ لوگ جنہوں نے ہماری آیتوں کو اور قیامت کے پیش آنے کو جھٹلایا ان کے سب کام (جن سے ان کو توقع نفع کی تھی) غارت گئے (اور انجام اس حبط کا جہنم ہے) ان کو وہی سزا دی جائے گی جو کچھ یہ کرتے تھے اور (جب موسیٰ علیہ السلام طور پر تورات لانے تشریف لے گئے تو) موسیٰ (علیہ السلام) کی قوم (یعنی بنی اسرائیل) نے ان کے (جانے کے) بعد اپنے (مقبوضہ) زیوروں کا (جو کہ قبطیوں سے مصر سے نکلتے وقت بہانۂ شادی کے مانگ لیا تھا) ایک بچھڑا (بنا کر جس کا قصہ سورۂ طٰہٰ میں ہے، اس کو معبود) ٹھہرایا جو کہ (صرف اتنی حقیقت رکھتا تھا کہ) ایک قالب تھا جس میں ایک آواز تھی (اور اس میں کوئی کمال نہ تھا، جس سے کسی عاقل کو اس کی معبودیت کا شبہ ہو سکے) کیا انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ (اس میں آدمی کے برابر بھی تو قدرت نہ تھی چنانچہ) وہ ان سے بات تک نہیں کرتا تھا اور نہ ان کو (دنیا یا دین کی) کوئی راہ بتلاتا تھا (اور خدا کی سی صفات تو اس میں کیا ہوتیں، غرض یہ کہ) اس (بچھڑے) کو انہوں نے معبود قرار دیا اور (چونکہ اس میں اصلاً کوئی شبہ کی وجہ نہ تھی اس لئے انہوں نے) بڑا بے ڈھنگا کام کیا اور (بعد رجوع موسیٰ علیہ السلام کے جس کا قصہ آگے آتا ہے ان کے تنبیہ فرمانے سے) جب (متنبہ ہوئے اور اپنی اس حرکت پر) نادم ہوئے اور معلوم ہوا کہ واقعی وہ لوگ گمراہی میں پڑ گئے تو (ندامت سے بطور معذرت) کہنے لگے کہ اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہ کرے اور ہمارا (یہ) گناہ معاف نہ کرے تو ہم بالکل گئے گزرے (چنانچہ خاص طریقہ سے ان کو تکمیل توبہ کا حکم ہوا جس کا قصہ سورۂ بقرہ آیت فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ میں گزرا ہے) اور (موسیٰ علیہ السلام کو متنبہ فرمانے کا قصہ یہ ہوا کہ) جب موسیٰ (علیہ السلام) اپنی قوم کی طرف (طور سے) واپس آئے غصہ اور رنج میں بھرے ہوئے (کیونکہ ان کو وحی سے یہ معلوم ہو گیا تھا، طٰہٰ میں ہے قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا الخ) تو (اول قوم کی طرف متوجہ ہوئے) فرمایا کہ تم نے میرے بعد یہ بڑی نامعقول حرکت کی، کیا اپنے رب کے حکم (آنے) سے پہلے ہی تم نے (ایسی) جلد بازی کر لی (میں تو احکام ہی لینے گیا تھا اس کا انتظار تو کیا ہوتا) اور (پھر حضرت ہارون علیہ السلام

کی طرف متوجہ ہوئے اور دینی حمیت کے جوش میں) جلدی سے (توریت کی) تختیاں (تو ایک طرف رکھیں (اور جلدی میں ایسے زور سے رکھی گئیں کہ دیکھنے والے کو اگر غور نہ کرے تو شبہ ہو کہ جیسے کسی نے پٹک دی ہوں) اور (ہاتھ خالی کرکے) اپنے بھائی (ہارون علیہ السلام) کا سر (یعنی بال) پکڑ کر ان کو اپنی طرف گھسیٹنے لگے (کہ تم نے کیوں پورا انتظام نہ کیا اور چونکہ غلبہ غضب میں ایک گونہ بے اختیاری ہوگئی تھی اور غضب بھی دین کے لئے تھا اس لئے اس بے اختیاری کو معتبر قرار دیا جائے گا اور اس اجتہادی لغزش پر اعتراض نہ کیا جائے گا) ہارون (علیہ السلام) نے کہا کہ اے میرے ماں جائے (بھائی میں نے اپنی کوشش بھر بہت روکا لیکن) ان لوگوں نے مجھ کو بے حقیقت سمجھا اور (بلکہ نصیحت کرنے پر) قریب تھا کہ مجھ کو قتل کر ڈالیں تو تم مجھ پر (سختی کرکے) دشمنوں کو مت ہنسواؤ اور مجھ کو (برتاؤ سے) ان ظالم لوگوں کے ذیل میں مت شمار کرو (کہ ان کی سی ناخوشی مجھ سے بھی برتنے لگو) موسیٰ (علیہ السلام) نے (اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور) کہا کہ اے میرے رب میری خطا (گو وہ اجتہادی ہو) معاف فرما دے اور میرے بھائی کی بھی (کوتاہی جو ان مشرکین کے ساتھ معاملہ متارکت میں شاید ہوگئی ہو جیسا اس قول سے معلوم ہوتا ہے، مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا اَلَّا تَتَّبِعَنِ الآیۃ) اور ہم دونوں کو اپنی رحمت (خاص) میں داخل فرمایئے اور آپ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں (اس لئے ہم کو قبول دعا کی امید ہے)

معارف و مسائل

پہلی آیت میں جو ارشاد فرمایا کہ "میں پھیر دوں گا اپنی آیتوں سے ان لوگوں کو جو بڑے بنتے ہیں زمین میں بغیر حق کے"۔

اس میں بغیر حق سے اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ تکبر کرنے والوں کے مقابلہ میں تکبر کرنا حق ہے وہ بُرا اور گناہ نہیں، کیونکہ وہ صرف صورت کے اعتبار سے تکبر ہوتا ہے حقیقت کے اعتبار سے نہیں ہوتا، جیسا کہ مشہور ہے اَلتَّكَبُّرُ مَعَ الْمُتَكَبِّرِيْنَ تَوَاضُعٌ، (مسائل السلوک)

تکبر انسان کو فہم سلیم اور علوم الٰہیہ سے محروم کردیتا ہے

اور تکبر کرنے والوں یعنی بڑے بننے والوں کو اپنی آیتوں سے پھیر دینے کا مطلب یہ ہے کہ اُن سے آیاتِ الٰہیہ کے سمجھنے اور ان سے فائدہ اٹھانے کی توفیق سلب ہو جاتی ہے، اور آیاتِ الٰہیہ بھی اس جگہ عام مراد ہو سکتی ہیں، جن میں آیات منزلہ تورات و انجیل کی یا قرآن کریم کی بھی داخل ہیں اور آیاتِ تکوینیہ جو تمام زمین و آسمان اور اُن کی مخلوقات میں پھیلی ہوئی ہیں، اس لئے خلاصہ مضمون آیت کا یہ ہوا کہ تکبر یعنی اپنے آپ

کو دوسروں سے بڑا اور افضل سمجھنا ایسی مذموم اور منحوس خصلت ہے کہ جو شخص اس میں مبتلا ہوتا ہے اس کی عقل و فہم سلیم نہیں، اسی لئے وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کے سمجھنے سے محروم ہو جاتا ہے نہ اس کو قرآنی آیات صحیح سمجھنے کی توفیق باقی رہتی ہے اور نہ آیاتِ قدرت میں غور و فکر کرکے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے میں اس کا ذہن چلتا ہے۔

روح البیان میں ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ تکبر اور نخوت ایک ایسی بُری خصلت ہے جو علوم ربانیہ کے لئے حجاب بن جاتی ہے کیونکہ علوم ربانیہ صرف اس کی رحمت سے حاصل ہوتے ہیں اور رحمتِ خداوندی تواضع سے متوجہ ہوتی ہے، مولانا رومی نے خوب فرمایا ہے ؎

ہر کجا پستی ست آب آنجا رود ہر کجا مشکل جواب آنجا رود

پہلی دو آیتوں میں یہ مضمون ارشاد فرمانے کے بعد پھر موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کا باقی قصہ اس طرح ذکر فرمایا ہے کہ:

جب موسیٰ علیہ السلام تورات حاصل کرنے کے لئے کوہ طور پر معتکف ہوئے اور شروع میں تیس دن رات کے اعتکاف کا حکم تھا اور اس کے مطابق اپنی قوم سے کہہ گئے تھے کہ تیس دن بعد لوٹیں گے، وہاں حق تعالیٰ نے اس پر دس روز کی میعاد اور بڑھا دی تو اسرائیلی قوم جس کی جلد بازی اور کجروی پہلے سے معروف تھی، اس وقت بھی طرح طرح کی باتیں کرنے لگے، ان کی قوم میں ایک شخص سامری نام کا تھا، جو اپنی قوم میں بڑا اور چودھری مانا جاتا تھا مگر کچے عقیدہ کا آدمی تھا اس نے موقع پا کر یہ حرکت کی کہ بنی اسرائیل کے پاس کچھ زیورات قوم فرعون کے لوگوں کے رہ گئے تھے ان سے کہا کہ یہ زیورات تم نے قبطی لوگوں سے مستعار طور پر لیے تھے اب وہ سب غرق ہوگئے اور زیورات تمہارے پاس رہ گئے، یہ تمہارے لئے حلال نہیں، کیونکہ کفار سے جنگ کے وقت حاصل شدہ مالِ غنیمت بھی اس زمانہ میں مسلمانوں کے لئے حلال نہیں تھا، بنی اسرائیل نے اس کے کہنے کے مطابق سب زیورات لاکر اس کے پاس جمع کردیئے، اس نے اس سونے چاندی سے ایک بچھڑے یا گائے کا مجسمہ بنایا، اور جبریل امین کے گھوڑے کے سم کے نیچے کی مٹی جو اس نے کہیں پہلے سے جمع کر رکھی تھی اس مٹی میں اللہ تعالیٰ نے حیات و زندگی کا خاصہ رکھا تھا، اس نے سونا چاندی آگ پر پگھلانے کے وقت یہ مٹی اس میں شامل کردی اس کا یہ اثر ہوا کہ اس گائے کے مجسمہ میں زندگی کے آثار پیدا ہوگئے اور اس کے اندر سے گائے کی سی آواز نکلنے لگی، اس جگہ آیت میں عِجْلًا کی تفسیر جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فرما کر اس طرف اشارہ کردیا ہے۔

سامری کی یہ حیرت انگیز شیطانی ایجاد سامنے آئی تو اس نے بنی اسرائیل کو اس کفر کی

دعوت دینا شروع کردی کہ یہی خدا ہے، موسیٰ علیہ السلام تو اللہ تعالیٰ سے باتیں کرنے کے لیے کوہِ طور پر گئے ہیں اور اللہ میاں (معاذ اللہ) خود یہاں آگئے موسیٰ علیہ السلام سے بھول ہوگئی بنی اسرائیل میں اس کی بات پہلے سے مانی جاتی تھی اور اسوقت تو یہ شعبدہ بھی اس نے دکھلا دیا تو اور بھی معتقد ہوگئے اور اسی گائے کو خدا سمجھ کر اس کی عبادت میں لگ گئے۔

مذکورہ تیسری آیت میں اس مضمون کا بیان اختصار کے ساتھ آیا ہے، اور قرآن کریم میں دوسری جگہ اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

چوتھی آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تنبیہ کے بعد بنی اسرائیل کے نادم ہو کر توبہ کرنے کا ذکر ہے، اس میں سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ کے معنیٰ عربی محاورہ کے موافق نادم و شرمندہ ہونے کے ہیں۔

پانچویں آیت میں اس واقعہ کی تفصیل ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور سے تورات لے کر واپس آئے اور قوم کو گوسالہ پرستی میں مبتلا دیکھا تو اگرچہ قوم کی اس گمراہی کی خبر حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کوہِ طور ہی پر کردی تھی، لیکن سننے اور دیکھنے میں فرق ہوتا ہے جب ان لوگوں کو دیکھا کہ گائے کی پوجا پاٹ کر رہے ہے تو غصہ کی انتہا نہ رہی۔

پہلے اپنی قوم کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ یعنی تم نے میرے بعد یہ بڑی نامعقول حرکت کی ہے اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ کیا تم نے اپنے رب کا حکم آنے سے جلد بازی کی، یعنی اللہ کی کتاب تورات کے آنے کا انتظار تو کر لیتے، تم نے اُس سے جلد بازی کر کے یہ گمراہی اختیار کر لی، اور بعض مفسرین نے اس جملہ کا یہ مطلب قرار دیا ہے کہ کیا تم نے جلد بازی کر کے یہ قرار دے لیا تھا کہ میری موت آگئی۔

اس کے بعد حضرت ہارون علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے کہ ان کو اپنا خلیفہ بنا کر گئے تھے انہوں نے اس گمراہی سے ان لوگوں کو کیوں نہ روکا، اُن کی طرف ہاتھ بڑھانے کے لئے ہاتھ کو خالی کرنے کی فکر ہوئی تو تورات کی تختیاں جو ہاتھ میں لئے ہوئے تھے جلدی سے رکھ دیں اسی کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ ، اِلقاء کے لغوی معنیٰ ڈال دینے کے ہیں، اور اَلْوَاح، لَوح کی جمع ہے جس کے معنیٰ ہیں تختی، یہاں لفظ اِلقاء سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے غصہ کی حالت میں تورات کی تختیوں کی بے ادبی کی کہ اُن کو ڈال دیا۔

لیکن یہ ظاہر ہے کہ الواحِ تورات کو بے ادبی کے ساتھ ڈال دینا گناہِ عظیم ہے اور انبیاء علیہم السلام سب گناہوں سے معصوم ہیں، اس لئے مراد آیت کی یہی ہے کہ اصل مقصود حضرت

ہارون علیہ السلام کو پکڑنے کے لئے اپنا ہاتھ خالی کرنا تھا اور غصہ کی حالت میں جلدی سے ان کو رکھا، جس سے دیکھنے والا یہ سمجھے کہ ڈال دیا، اس کو قرآن کریم نے بطور تنبیہ کے ڈالنے کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ (بیان القرآن)

اس کے بعد اس خیال پر کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے اپنے فرائضِ قائم مقامی میں کوتاہی کی ہے ان کے سر کے بال پکڑ کر کھینچنے لگے تو حضرت ہارونؑ نے عرض کیا کہ میرا قصور نہیں قوم نے میرا کوئی اثر نہ لیا اور میری بات نہ سنی بلکہ قریب تھا کہ وہ مجھے قتل کر ڈالتے اس لئے آپ میرے ساتھ ایسا برتاؤ نہ کریں جس سے میرے دشمن خوش ہوں اور آپ مجھے ان گمراہوں کے ساتھ نہ سمجھیں، تب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا غصہ فرو ہوا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ، یعنی اے میرے پروردگار مجھے بھی معاف فرما دیجئے اور میرے بھائی کو بھی اور ہم کو اپنی رحمت میں داخل فرما دیجئے اور آپ تو سب رحمت کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں۔

اس میں اپنے بھائی ہارون کے لئے تو اس بناء پر دعائے مغفرت کی کہ شاید ان سے کوئی کوتاہی قوم کو گمراہی سے روکنے میں ہوئی ہو اور اپنے لئے دعائے مغفرت یا تو اس بنا پر کہ جلدی کے ساتھ الواحِ تورات کو رکھ دینا جس کو قرآن کریم نے ڈال دینے سے تعبیر کر کے ایک غلطی پر متنبہ فرمایا ہے اس سے مغفرت طلب کرنا مقصود تھا۔ اور یا یہ کہ دعاء کا ادب ہی یہ ہے کہ دوسرے کے لئے دعا کرے تو اپنے آپ کو بھی اس میں شامل کرے تاکہ اس کا استغناء محسوس نہ ہو یعنی یہ کہ یہ اپنے آپ کو دعاء کا محتاج نہیں سمجھتا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ

البتہ جنہوں نے بچھڑے کو معبود بنالیا ان کو پہنچے گا غضب ان کے رب کا

وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ۝۱۵۲ وَ

اور ذلت دنیا کی زندگی میں اور یہی سزا دیتے ہیں ہم بہتان باندھنے والوں کو اور

الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْٓا ۙ اِنَّ

جنہوں نے کئے برے کام پھر توبہ کی اس کے بعد اور ایمان لائے تو بیشک

رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۵۳ وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ

تیرا رب توبہ کے پیچھے البتہ بخشنے والا مہربان ہے اور جب تھم گیا موسیٰ کا

مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۖ وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّ

غصہ تو اس نے اٹھا لیا تختیوں کو اور جو ان میں لکھا ہوا تھا اس میں ہدایت اور